© rasailojaraid.com

علمِ کلام میں جدید رجحانات

ترجمہ و تلخیص:
ڈاکٹر ناصر زیدی

لبنان سے شائع ہونے والے اس رسالے میں ایران اور عرب کے نامور دانشوروں کے مقالے اور انٹرویوز شامل کیے گئے ہیں جن میں جدید علم کلام کے مختلف پہلوؤں کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ذیل میں اس کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔

عبدالهادی فاضل – استاد جامعه علوم اسلامیه، لندن

عبدالھادی فاضل نے عقیدے اور علم العقائد کے درمیان فرق اور عقائد میں قدیم اور جدید منہج پر روشنی ڈالی ہے۔انہوں نے کہا کہ اس کے لیے علوم اور علوم دینی کے فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ہم دین کا احترام کرتے ہیں اس کے دین الٰہی ہونے کی وجہ سے اور علوم دین کا احترام کرتے ہیں کیونکہ یہ الٰہی و دینی فکر کی معرفت تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ہم علوم دینی کو مقدس نہیں سمجھتے کیونکہ یہ انسان کی اجتہادی فکر کا نتیجہ ہیں جو کبھی حقیقت تک پہنچتی ہے کبھی نہیں لیکن بہر حال ہم اس کا احترام ضرور کرتے ہیں۔

اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو قدیم علم کلام اپنے اسلوب اور مسلمان کو اس کے عقیدے تک پہنچانے کا وسیلہ ہونے کے اعتبار سے اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی ہے۔تاہم یہ بات سمجھنے کی ہے کہ گزشتہ دور میں علم کلام کا منہج، عقلی تھا کیونکہ عمومی ماحول اسی عقلی روش کا متقاضی بھی تھا لیکن عصر حاضر میں یورپ نے عقلی منہج سے دوری اختیار کر لی ہے اور تجربی روش پر انحصار کرنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے قدیم علم کلام اب پہلے والی ذمہ داری ادا نہیں کر سکتا۔(یعنی انسانی تجربے کی بنیاد پر صحیح اور غلط کا فیصلہ ہوتا ہے)۔یہی وجہ ہے کہ قدیم علم کلام آج کے دور میں گوشہ تنہائی میں چلا گیا ہے کیونکہ علم کلام اب اس منہج پر نہیں ہے جس کا تقاضا عصری ثقافت کر رہی ہے۔

دوسری طرف دور حاضر میں معرفت و آگاہی کے مآخذ کو عقل و تجربے میں محدود کر دیا گیا ہے اور وحی کو معرفت کے ذرائع میں سے نکال دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس میں دینی فکر کی کوئی گنجائش نہیں رہی لہٰذا ہم جب تک وحی و الہام کو معرفت کا منبع قرار نہیں دیتے اس وقت تک معرفت دینی مکمل نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر حسن حنفی..ماہر علومِ دینیہ' مصر

ڈاکٹر حسن حنفی نے ''علم کلام میں جدید رویے'' کے زیر عنوان اپنے انٹرویو میں کہا کہ ہم میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں علم کلام کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور جو بھی اشعری عقائد سے باہر نکلتا ہے اس کو کہا جاتا ہے کہ اس نے عقیدے کو چھوڑ دیا ہے اور اس نے کوئی نئی چیز ایجاد کر لی ہے جبکہ آراء میں تنوع اور رنگارنگی علم کلام کی طبیعت کا حصہ ہے۔علم کلام اپنی ذات میں تبدیلی اور ارتقا کے مراحل سے گزر رہا ہے البتہ گزشتہ دور میں خلافت قائم تھی، مسلمان فاتح تھے، علوم کا رواج تھا، یورپ میں ان کے علوم کا عبرانی اور انگریزی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ کیا جا رہا تھا لیکن آج ہم پر دوسروں کا غلبہ ہے اور باہمی افتراق وانتشار کا شکار ہیں۔لہٰذا علم کلام کی ذمہ داری اب عقیدے کا دفاع کرنا نہیں ہے کیونکہ عقیدہ کسی خطرے سے دوچار نہیں ہے بلکہ امت مسلمہ کے ذخائر خطرے میں ہیں، اس کے مفادات خطرے میں ہیں، ان کا مستقبل خطرے میں ہے لہٰذا ان چیزوں کے دفاع کی ضرورت ہے۔گزشتہ دور میں عقائد پر حملہ کیا جاتا تھا لیکن اب عقائد پر حملہ نہیں کیا جاتا۔ہم میں سے کون ہے جو خدائے واحد پر ایمان نہ رکھتا ہو لیکن آج ہماری اراضی پر حملہ کیا جا چکا ہے، فلسطین، کشمیر، بوسنیا ہرزاگوینا جیسے خطوں پر دشمن نے دھاوا بول دیا ہے، باہر سے ہمیں استعمار نے گھیر رکھا ہے اور اندر سے ہم غربت کے شکار اور ملوکیت کے نرغے میں ہیں۔اسی کے نتیجے میں جمال الدین افغانی، شبلی نعمانی اور علامہ اقبال جیسی شخصیات کی اصلاحی تحریکوں کا آغاز ہوا اور پھر اسی کے نتیجے میں ہی نئے علم کلام نے بھی جنم لیا ہے، اسی لیے ان میں سے بہت سی چیزوں کا تعلق اصول فقہ، مقاصد شریعت اور امت مسلمہ کے مفادات کے دفاع سے ہے۔پس جدید علم کلام کا اجتماعی، سیاسی اور تاریخی علوم کے ساتھ ساتھ اصلاحی تحریکوں سے گہرا ربط ہے۔کیونکہ کلام جدید کے عالم سے روز قیامت یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے فلسطین کے سلسلے میں کیا کہا، تم نے یہودیت اور صہیونیت کی رد میں کیا کہا۔پس قدیم علم کلام اگر عقیدے کے دفاع کا نام تھا تو جدید علم کلام مسلمانوں کے دفاع کا نام ہے۔

ڈاکٹر فرامرز قراملکی..استاد علم کلام، شعبہ الٰہیات جامعہ تہران

ڈاکٹر فرامرز قراملکی

ڈاکٹر فرامرز قراملکی نے اپنے انٹرویو میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بہت سے علماء کا خیال ہے کہ کلام جدید کوئی نیا علم نہیں ہے کیونکہ یہ قدیم علم کلام کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے لہٰذا انہوں نے کلام جدید کی اصطلاح استعمال کرنے کی بجائے علم کلام کے جدید مسائل کی اصطلاح استعمال کرنے کو ترجیح دی ہے۔ان مفکرین کے مقابلے میں علماء کے ایک اور طبقے کا کہنا ہے کہ کلام جدید بالکل ایک نیا علم ہے اور کلام قدیم کے ساتھ اس کا کوئی اشتراک نہیں ہے۔جن مفکرین کا یہ کہنا ہے کہ علم کلام میں تجدد صرف بعض مسائل میں رونما ہوا ہے، اس لحاظ سے روائتی علم کلام اور جدید علم کلام میں فرق صرف مسائل کے اعتبار سے ہے، ڈاکٹر فرامرز قراملکی ان کی رائے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عام طور سے جب مختلف علوم کا جائزہ لیا جاتا ہے تو سب سے پہلے ان کے مسائل پر نظر پڑتی ہے جبکہ ان علوم کے دیگر ارکان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اسی لیے کلام جدید کے سلسلے میں بھی پہلے ان مسائل پر نظر پڑتی ہے جو روائتی علم کلام کے مسائل کی نسبت نئے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کسی علم میں تبدیلی اور تجدید وتجدد کو اس کے مسائل میں منحصر کرنا، طرز فکر (Reductionism) اور کسی چیز کی اصل حقیقت کو اخذ کرنے کی بجائے اس کے ایک حصے کو اخذ کرنے سے متعلق مغالطے کا نتیجہ اور اس کی گہرائی موجود میں دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کا سبب ہے۔جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ علم کلام کے ارتقائی سفر کے دوران نئے مسائل وجود میں آئے ہیں تو اس چیز کا تعلق صرف علم کلام سے نہیں ہے بلکہ ہر علم نئے مسائل کی بنیاد پر ترقی کرتا ہے۔علاوہ ازیں اس معنی میں تجدد ایک اضافی امر سمجھا جائے گا یعنی جن مسائل کو آج نیا کہا جا رہا ہے ایک دن ان کا شمار بھی قدیم مسائل میں ہونے لگے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کے جدید مسائل نے علم کلام کی دیگر بنیادوں کو بھی تبدیل کر دیا ہے۔پہلی بات تو یہ کہ جدید مسائل، فکر کی دنیا میں نئے خیالات اور نئے اصولوں کے وجود میں آنے کا نتیجہ ہیں۔جدید کلامی مسائل اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ایسی نئی بنیادیں اور ایسے نئے اصول وجود میں آچکے ہیں جن کی وجہ سے نئے اعتراضات اور شبہات نے بھی جنم لیا ہے۔کیا وجہ ہے کہ دین کے نفسیاتی وسماجی پہلوؤں سے متعلق سوال پہلے نہیں کیا جاتا تھا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا وجہ ہے کہ دینی قضیوں کے بامعنی ہونے یا نہ ہونے پر پہلے گفتگو نہیں ہوتی تھی؟ کیا اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ آج کے انسان کو جب دینی تعلیمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس سے انسانی علوم کی ترقی کی بنیاد پر نئے اصول اور نئی طرز نگاہ وجود میں آتی ہے۔ علاوہ ازیں جدید مسائل کے ظہور نے جہاں نئی روشوں اور نئے اصولوں کو جنم دیا ہے وہاں ایک متکلم کو اس کی نئی ذمہ داریوں سے بھی روشناس کرایا ہے۔ علم کلام فلسفہ اولی کے برخلاف صرف برہانی (استدلالی) روش پر استوار نہیں ہے بلکہ شبہات کی نوعیت کے مطابق ایک نئی روش کا متقاضی ہے۔

استاد مصطفی ملکیان. ایرانی ماہر علم کلام و استاد دانش گاہ تہران

جب ہم کسی علم کی ترقی، انحطاط یا جمود کی بات کرتے ہیں تو اس میں بہت سے ابہام پائے جاتے ہیں جن کا دور ہونا ضروری ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں تاریخ کے فلاں دور میں کوئی دین ترقی کر رہا تھا یا انحطاط کا شکار تھا تو اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ترقی یا انحطاط سے ہماری مراد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنا بہت مشکل ہے خاص طور پر علم کلام جیسے علوم کے سلسلے میں تو ترقی، انحطاط یا جمود کے معیار کی تشخیص ایک مشکل کام ہے۔ بہر حال اس مشکل کی گہرائی میں جائے بغیر یہاں پر چند نکات غور طلب ہیں:

استاد مصطفی ملکیان

۱۔ اگر علم کلام کا مقصد یہ ہو کہ اس کے ذریعے سے دینی و مذہبی قضیوں اور ان کے مفروضات اور منطقی نتائج کو منظم طریقے سے بیان کیا جائے، پھر ان کی تفسیر و توجیہ کی جائے تو اس بات کو قبول کرنا چاہیے کہ علم کلام نے کبھی بھی اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔

۲۔ کلام اسلامی میں آٹھویں صدی ہجری سے حالیہ برسوں تک نہ تو کوئی نیا سوال اٹھایا گیا ہے نہ ہی کسی پرانے سوال کا نئے انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ان صدیوں میں علم کلام آٹھوی صدی سے پہلے کے دور کی نسبت جمود کا شکار رہا ہے۔ اس جمود و انحطاط کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مسلمان ریاست میں، دیگر ادیان و مذاہب کے ماننے والوں سے عقیدے کی آزادی کو روز بروز، زیادہ سلب کیا گیا ہے۔ واضح سی بات ہے کہ نئے سوالات اٹھانے اور قدیم سوالات کا نئے انداز میں جواب دینے کے لیے ضروری ہے کہ سب کو اظہار عقیدے کی اجازت دی جائے۔ اگر اس حق کو کسی سے مکمل طور پر سلب کر لیا جائے یا اسے محدود کر دیا جائے خاص طور پر ان افراد سے جنہیں مخالف خیال کیا جاتا ہے، تو نہ نیا سوال اٹھایا جائے گا نہ کوئی نیا جواب دیا جائے گا۔ اگر مخالفین کو اپنے عقیدے کے اظہار کی اجازت نہیں دی جائے گی چاہے ان کا عقیدہ صحیح ہو یا غلط تو اس کے اپنے اثرات مرتب ہوں گے۔ دوسروں کو اپنے عقائد کے اظہار کی اجازت دینا، علم کلام کی ترقی و پیشرفت کی بنیادی شرط ہے چاہے علم فقہ اس قسم کے اظہار کی اجازت دیتا ہو یا نہ۔

۳۔ مسلمان مفکرین کے اذہان میں دین اسلام روز بروز، یونانی فلسفہ سے جڑتا چلا گیا۔ جب تک یونانی فلسفہ کو عقلی و فکری طور پر دیکھا جاتا رہا اس وقت تک علم کلام بھی ترقی کرتا رہا لیکن جب مسلمان مفکرین نے یونانی فلسفے کو اس اعتبار سے دیکھنا شروع کیا کہ صرف یونانی فلسفہ ہی عقل و فکر کا ترجمان ہے یا دوسرے الفاظ میں یونانی فلسفے کو ہی عقلی استدلال کے طور پر منفرد حیثیت دی گئی اور پھر جس کے نتیجے میں افلاطون اور ارسطو کی آراء کے مخالفین کو نظر انداز کیا جانے لگا تو علم کلام جمود کا شکار ہو گیا۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ علم کلام ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے حقیقی مسائل سے لاتعلق ہوتا چلا گیا۔ علم کلام اسی وقت نئے سوالات کی طرف جائے گا جب اس کا تعلق فرد اور معاشرے کی حقیقی زندگی سے ہوگا کیونکہ یہی زندگی حقیقی معنی میں تبدل و تغیر کا شکار ہوتی ہے اور جس کے نتیجے میں نئے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ علم کلام ایسے تہذیب و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمدن میں ہی نشوونما پاتا ہے جہاں دین دار اس بات پر ایمان رکھتے ہوں کہ دین، انسان کے لئے آیا ہے نہ کہ انسان دین کے لیے۔ ایسی صورت میں ایک دین دار، دین کے ساتھ اپنے تعلق کو مریض اور طبیب کے درمیان تعلق کے طور پر دیکھے گا نہ کہ باغبان اور باغ کے درمیان پائے جانے والے تعلق کے طور پر۔ ایسی صورت میں دین دار شخص، اپنی مشکلات کو دین کے سامنے رکھے گا اور اس سے جواب طلب کرے گا۔ اسی قسم کے سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہنے سے علم کلام، نشوونما پاتا ہے اور آگے بڑھتا ہے۔

۴۔ اب تک کی اسلامی ثقافت میں جو علم کلام رائج رہا ہے اس میں دینی و مذہبی متون میں موجود تمام قضیوں کو زیر بحث نہیں لایا گیا مثلاً انشائی قضیوں (جن سے کسی خارجی حقیقت کی نشاندہی نہیں ہوتی لہٰذا وہ صدق و کذب سے متصف نہیں ہوتے) پر بحث و گفتگو نہیں ہوتی جیسے فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم، جو تم سے جنگ کرتا ہے اس سے تم بھی اسی طرح جنگ کرو (سورۃ بقرہ/۱۹۴)، ولا تکونوا کالذین نسوا الله، ان کی طرح نہ ہونا جن کو اللہ نے فراموش کر دیا ہے (سورۃ حشر/۱۹)۔ اسی طرح تمام اخباری قضیوں (جو کسی خارجی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں اور صدق و کذب سے متصف ہوتے ہیں) کو بھی زیر بحث نہیں لایا جاتا جیسے وجعلنا من الماء کل شئی حی، ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی دی (انبیاء/۳۰)، وما هذه الحیوة الدنیا الا لهو و لعب و ان الدار الآخرة لهی الحیوان، دنیا کی یہ زندگی لھو و لعب کے سوا کچھ بھی نہیں اور حقیقی زندگی دار آخرت میں ہی ہے (سورۃ عنکبوت/۶۴)۔ اس کی بجائے صرف اہم اخباری قضیوں (جیسے اللہ کے اسماء و صفات اور اس کے افعال، نبوت عامہ، نبوت خاصہ، معاد وغیرہ) کو زیر بحث لایا گیا ہے لیکن آج مغربی ثقافت میں کلام کے عنوان سے یا الٰہیات (Theology) کے عنوان سے جو مسائل زیر بحث آتے ہیں ان کا تعلق انشائی جملوں سے بھی ہے اور اخباری جملوں سے بھی۔

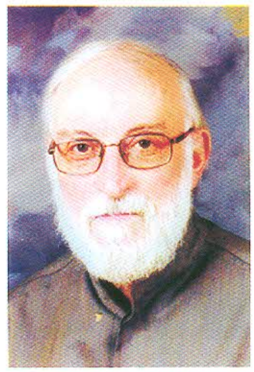
ڈاکٹر محمد مجتہد شبستری

ڈاکٹر محمد مجتہد شبستری.. سابق سربراہ، شعبہ ادیان و عرفان تہران یونیورسٹی

۱۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ روائتی علم کلام نئے مسائل کا سامنا کرنے کی قوت رکھتا ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ علم کلام یا اسلامی فلسفہ کا تنقیدی جائزہ لینے کا مطلب دین اسلام پر تنقید کرنا نہیں ہے کیونکہ دین اسلام، کلام اسلامی کا نام نہیں ہے اور نہ ہی اسلامی فلسفہ سے عبارت ہے۔

۲۔ علم کلام کی تین بنیادی ذمہ داریاں ہیں۔ ایک اصول عقائد کی وضاحت کرنا اور ان کی حدود کو متعین کرنا، دوسرا عقائد اسلامی کا اثبات اور تیسرا شبہات اور اعتراضات کا جواب دینا۔ گزشتہ دور میں علم کلام میں جو مسائل زیر بحث آتے تھے وہ خارجی دنیا سے اٹھتے تھے، مثلاً کیا اللہ موجود ہے یا نہیں؟ کیا اس کی صفات عین ذات ہیں یا ذات سے جدا؟ نبوت سے کیا مراد ہے؟ کیا محمد رسول اللہ ﷺ نبی تھے؟ معاد کیا ہے اور کیا انسان روز قیامت محشور کیا جائے گا؟ تمام اہل ایمان اور متکلمین کی بھی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان خارجی امور کی معرفت حاصل کی جائے۔ اسی لیے یہ فرض بھی کیا جاتا تھا کہ ان امور میں عقلی استدلال کے ذریعے ایسا یقین حاصل کیا جا سکتا ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور پھر ہر مسئلے میں واقعہ تک پہنچنے کی کوشش بھی کی جاتی تھی۔ لیکن اب انسان ایک ایسے دور میں قدم رکھ چکا ہے جہاں فلسفی یقین اور جزم ختم ہو گیا ہے اور انسان علم و دانش کی تمام انواع و اقسام کو تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو انسانی تاریخ میں رونما ہوئی ہے اور اس سے غافل نہیں رہا جا سکتا۔ یوں اب تنقید کو بھی محدود نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقت موجود نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں گزشتہ دور کی طرح اب چیزوں کے ثابت کرنے کے اسلوب کی طرف توجہ کم ہوگئی ہے۔ آج کا انسان کسی چیز کو ثابت کرنے کی بجائے اپنی مشکل کو حل کرنا چاہتا ہے نہ کہ ثابت کرنا۔ اس وقت ایسے بہت سے مسائل ہیں جن کا آج کے انسان کو مستقل طور پر سامنا ہے اور ان مسائل کا حل تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔ موجودہ حالات میں کائنات کی کوئی ایک شکل وصورت بھی باقی نہیں رہی ہے جیسا کہ انسان بھی کسی معینہ صورت میں باقی نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب فلسفہ، کائنات اور انسان کی کوئی معینہ صورت کو پیش کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ فلسفی اور علمی نظریات تمام کے تمام تغیر وتبدل کی حالت میں ہیں۔ آج کے دور میں علم کلام میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ اپنی گزشتہ بنیادوں اور خصوصیات کو محفوظ رکھ سکے اور نہ ہی اپنے گزشتہ اہداف پورے کرسکتا ہے۔ اب یہ بات اہم نہیں رہی کے انسان عقائد حقہ تک پہنچ جائے تا کہ اس کی تصدیق کرے اور آخرت میں نجات حاصل کر لے بلکہ اس وقت اس سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ موجود ہے اور وہ یہ کہ آج کا انسان اسی دنیا میں آخرت کا طلبگار ہے اور معنوی نجات چاہتا ہے اسی دنیا میں۔ آخرت وہ نہیں ہے جسے بعد میں آنا ہے بلکہ آخرت انسان کا باطنی رخ ہے جو اس وقت بھی موجود ہے لیکن انسان اس سے غافل ہے۔ اسی لیے آج کا انسان یہ سوال کرتا ہے کہ دین اس دنیا اور اس زندگی میں ہمارے ساتھ کیا کرتا ہے کہ جو اندرونی مشکلات میں گھری ہوئی ہے۔ آج کے انسان کو مستقبل کے وعدوں پر مطمئن نہیں کیا جاسکتا اور اسے مخصوص اعتقادات کا پابند نہیں بنایا جاسکتا اور یہ کہ وہ محدود اعمال انجام دے تا کہ اخروی سعادت تک پہنچ جائے۔ صدر اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے اللہ کے وجود اور نبوت کو ثابت نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید میں انسان کے لیے اللہ کے وجود کو پیش کیا گیا ہے جیسا کہ خود رسول اللہ نے بھی خود کو ثابت نہیں کیا بلکہ خود کو پیش کیا ہے۔

علی اوجبی.. ایرانی دانشور وماہر علم کلام جدید

چونکہ عصر حاضر کے علم کلام میں جو مسائل زیر بحث آرہے ہیں وہ روائتی علم کلام کی مباحث سے بالکل مختلف ہیں اور ان کی کوئی مثال قدیم کتابوں میں نہیں ملتی لہٰذا بعض نے یہ سمجھ لیا کہ یہ علم ایک مستقل اور جدید علم ہے جس کا اپنا ایک موضوع، اپنی ایک خاص تعریف اور نئی معرفتی بنیادیں ہیں۔ لیکن اگر قدیم علم کلام کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ روائتی اور جدید علم کلام اپنے موضوع، تعریف، ہدف ومقصد حتیٰ کہ کبھی اپنے طریقہ استدلال کے لحاظ سے بھی ایک ہی ہے۔ درحقیقت کلام جدید، روائتی علم کلام کی ترقی یافتہ شکل ہے، اس نوزائدہ بچے کی مانند جو اپنی شخصیت اور وحدت کو محفوظ رکھتے ہوئے رشد وکمال کے مراحل طے کرتا ہے۔ علم کلام ایک زندہ، متحرک اور سیال علم ہے جو اپنے ایک ہی موضوع، ایک ہی تعریف اور مخصوص اہداف کے ساتھ محو سفر ہے اور روز بروز اپنے اندر علمی سرمائے میں اضافہ کررہا ہے اور یہ دائمی اور ذاتی خصوصیت کبھی بھی اس سے جدا نہیں ہوگی۔

جدید علم کلام کو روائتی علم کلام سے جدا اس لیے بھی نہیں سمجھا جاسکتا کہ دونوں کا موضوع بھی ایک ہے اور مقصد وغایت بھی ایک ہی ہے۔ کسی علم کے واحد ہونے یا دوسرے علوم سے جدا ہونے کا معیار بھی اس علم کا موضوع یا اس کا ہدف و مقصد ہوتا ہے۔ فزکس اور علم نفسیات دونوں کو علم واحد قرار نہیں دیا جاسکتا نہ ہی کسی ایک کو دوسرے کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ دونوں کے موضوعات اور اہداف جدا ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو علم کلام کے ساتھ جدید کا لفظ استعمال کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ جدید کا لفظ ایک اضافی حقیقت ہوگا۔ اگر آج کوئی چیز جدید ہے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ قدیم ہوجائے گی۔ یوں ہر مرحلہ گزشتہ مرحلہ کی نسبت سے جدید کہلائے گا۔

> اگر علم کلام کا مقصد یہ ہو کہ اس کے ذریعے سے دینی و مذہبی قضیوں اور ان کے منطقی نتائج کو منظم طریقے سے بیان کیا جائے، تو اس بات کو قبول کرنا چاہیے کہ علم کلام نے کبھی بھی اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔

© rasailojaraid.com